شہری منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدامات

ایک جائزہ

مقررین: نعیم احمد صادق، عارف حسن

اربن ریسورس سینٹر

مئی 2026ء

URC

F-144-66

ٹرانسکرپشن:

سہیل انجم

ادارت:

بلقیس، زاہد فاروق، سیما لیاقت

عکاسی:

شکیل یونس

تصویر:

گل پلازہ

”شہری منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدامات ۔۔۔ ایک جائزہ“

کے عنوان سے یہ فورم 11 فروری 2026ء کو یو آر سی میں منعقد ہوا۔

یو آر سی رابطے کے لئے:

فون نمبر: 021-34387692

ای میل: urckhi@yahoo.com

ویب سائٹ: www.urckarachi.org

شہری منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدامات

ایک جائزہ

مقررین:

نعیم احمد صادق، ماہر پیشہ ورانہ صحت

عارف حسن، چیئرمین اربن ریسورس سینٹر

تاریخ: 11 فروری 2026ء بروز بدھ

اربن ریسورس سینٹر

A-2 دوسری منزل ویسٹ لینڈ ٹریڈ سینٹر، کمرشل ایریا،
شہید ملت روڈ، کراچی، پاکستان

021-34387692
urckhi@yahoo.com
www.urckarachi.org
fb.com/urckhi
@urckhi

سیما لیاقت: اربن ریسورس سینٹر (یوآرسی) کی جانب سے آج ایک بار پھر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمارا آج کا پروگرام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ایک سلسلہ یہی ہے کہ ہم باقاعدگی سے روزمرہ بنیاد پر اپنے فورم کرتے آئے ہیں۔ یوآرسی نے ہمیشہ موجودہ حالات کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کی ہے۔شہر میں آج کل جو کچھ نظر آرہا اس پر ہم بات کرنے جارہے ہیں۔جس کے لیے یوآرسی کے دوست جناب نعیم احمد صادق کو زحمت دی گئی ہے کہ وہ شہر میں آگ اور دیگر حادثات جیسے سانحات پر بات کریں۔ہم ہمیشہ کی طرح نعیم احمد صادق کی خدمات کو سراہتے ہیں۔

ہمارے آج کے پروگرام کا دوسرا حصہ یونس صاحب کی یاد کو دہرانا ہے۔اربن ریسورس سینٹر کے ڈائریکٹر محمد یونس جن کا ادارہ سے وابستگی کا سفر طویل ہے۔ یوآرسی کے مخلص ساتھی جن کا انتقال 29 دسمبر کو ہوا۔ یہ دکھ اپنی جگہ موجود ہے۔ہم نے بساط بھر کوشش کی ہے اور آئندہ بھی اپنی کوششوں کو جاری رکھنا چاہیں گے۔ یونس صاحب کے بعد ہم یہ پہلا پروگرام کررہے ہیں۔ایسے میں یوآرسی نے جانا کہ ہم کچھ وقت ان کے لیے مختص کریں۔ ان کی یادوں میں آپ سب کو بھی شامل کریں۔ان کی باتوں کو کام کو دہرائیں۔

محمد یونس کے کام اور ان کی زندگی پر ایک مختصر سی پریزینٹیشن تیار کی ہے۔سب سے اہم بات یہ کہ یہ پریزینٹیشن ان کی صاحبزادی شہیرہ یونس نے خود بنائی ہے۔اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پریزینٹیشن کے تصویری انتخاب میں کتنا پیار چھپا ہوا ہے۔ہم نے شہیرہ سے درخواست کی تھی کہ وہ آ کے خود پریزینٹیشن دیں۔خود اپنے والد سے متعلق بات

کریں۔لیکن اس بچی نے معذرت کی کہ ان میں اتنی ہمت کہاں۔ یہ احساسات ہم سمجھ سکتے ہیں۔کہ یہ سب کچھ آسان نہیں۔

یونس صاحب کے حوالے سے پریزینٹیشن کا آغاز کرتے ہیں:

بیادِ یونس صاحب۔۔۔پرزنٹیشن کی صورت

اتفاق سے جو پہلی تصویر آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ پہلا انتخاب ہی یونس صاحب کی شخصیت کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔تصویر کے پیچھے پھول اور خوبصورت سامنظر نظر آرہا ہے۔ یونس صاحب کی طبیعت اور ان کا مزاج بھی بالکل ایسے ہی ٹھنڈا تھا۔وہ خود بھی بہت منکسر المزاج اور نرم طبیعت کے انسان تھے۔آپ میں سے کئی لوگوں کا یونس صاحب سے واسطہ رہا ہے۔ اتنے ہی نرم طبع آدمی تھے جتنے پھول آپ کو اس تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

یونس صاحب نے تاحیات سماجی خدمات پر مبنی زندگی گزاری ہے۔انہوں نے شہر میں، دیہات میں، آفت زدہ علاقوں میں کام کیا ہے۔ان کے کاموں میں ہمیں ایڈووکیسی نظر آتی ہے۔آپ کوئی سا بھی پہلو اٹھا کر دیکھ لیں ان سب میں محمد یونس کی غیر معمولی مشاورت رہی ہے۔ ہاؤسنگ کے حوالے سے انہوں نے آگاہی پر زور دیا اور یہ کام صرف شہر، دیہات بلوچستان کی حد تک محدود نہیں رہا۔اندرونِ سندھ اور اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان سے باہر بھی اپنی نمایاں خدمات انجام دیں۔ان سب سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ جتنا بھی انہوں نے ایڈووکیسی کی ہے، جتنا بھی انہوں نے کام کیا ہے ان سب میں ان کی طرف سے عزت و وقار کا درس ملتا ہے کہ آپ جو بھی کام کریں اس میں پہلی شرط عزت و وقار کی سلامتی ہے۔اسی پیغام کی انہوں نے ترویج کی ہے کہ آپ

کی (کمیونٹی کی) جو بھی ضرورت ہے، جو بھی کوشش ہے وہ عزت و وقار کے ساتھ جاری رہنی چاہئیں ۔ان کے ساتھ جتنے ساتھیوں کا واسطہ رہا ہے وہ اس بات کو ضرور سمجھ جائیں گے کہ یونس صاحب کے مزاج میں سامنے والے کے لیے کتنی عزت ہوتی تھی ۔ یہاں پر ہم دیکھ رہے ہیں کہ یونس صاحب کی مختلف جگہوں پر شمولیت ہے ۔

اورنگی پائلٹ پراجیکٹ میں شمولیت اختیار کی جہاں سے ان کے باقاعدہ کیریئر کا آغاز ہوتا ہے اور ایک اہم موڑ تھا کہ انہوں نے کم آمدنی والے طبقے کو قریب سے دیکھا ۔ یہ سمجھیں کہ ان کی عملی جدوجہد کا آغاز اورنگی پائلٹ پراجیکٹ سے ہوا ۔انہوں نے اور لوگوں کی طرح خود اپنے وژن کا پہنچانا ۔ویسے بھی اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کی حیثیت، مرتبہ ایک تربیتی مرکز کے طور پر رہا ہے ۔اربن ریسورس سینٹر میں یونس صاحب اگست 91ء میں آتے ہیں اور یہاں پر انہوں نے ترقیاتی ماڈلز وضع کیے ۔ ہاؤسنگ کے حوالے سے، کم آمدنی والوں، ماحولیات کے حوالے سے .بہت ساری چیزیں ہمیں دیکھنے میں آتی ہیں ان کی شمولیت اور شرکت .بہت سارے پراجیکٹس میں رہی ہے ۔اس وقت یہاں ان پروجیکٹ میں ان کی شمولیت کی بات کی جائے گی ۔محمد یونس ہر پروجیکٹ میں شامل تھے اور کیسے نہ ہوتے ۔آخر کار وہ ڈائریکٹر اور اس سے بڑھ کر ایک دوراندیش انسان تھے ۔موصوف اپنے تجربہ کی بناء آگے نظر رکھتے تھے ۔انکی یہ مہارت ہم یو آر سی اسٹاف کی مشاورت میں بھی نظر آتی ہے کہ جب جب ہمیں ضرورت ہوئی انہوں نے اپنے اسٹاف کو بھرپور توجہ کے ساتھ سنا اور ان کی مشاورت بھی کی ۔قطع نظر اس کے کہ یہ مشاورت ذاتی زندگی میں ہو یا پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی متقاضی ہو ۔

یہاں Five Moudle City Project کی مثال ہے ۔جس میں ایشیا کے دیگر مما لک شامل ہیں پاکستان سے میر پور خاص کا انتخاب ہوا۔جہاں مختلف کمیونٹی زیرِغور رہیں ۔جس میں یو آرسی کی یہی کوشش رہی ہے کہ کمیونٹی کے تجربات آپس میں شیئر کیے جائیں ۔اب یہ اشتراک فورم کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے ۔فورمز جیسے کہ ہم کراچی یو آرسی میں فورم کرتے ہیں وہاں پر بھی ایک فورم کا سلسلہ جاری ہونا چاہیے ۔ یا باقاعدہ کسی میٹنگ کی صورت بھی ہوسکتا ہے ۔مقصد ایک دوسرے کے تجربات سے سیکھنا ہے کہ لوگ کن حالات میں کیا اور کیسے کام کررہے ہیں ۔

صحت مندانہ رہائش پراجیکٹ (Healthy Housing Project)

یہ پروجیکٹ کراچی کی تین مختلف بستیوں میں ہے ۔اس میں ان باتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ آپ کے گھروں کی طرز تعمیر، تعمیراتی سامان،گھروں کی بناوٹ ذہنی اور جسمانی صحت پہ کس حد تک اثر انداز ہوتی ہے ۔کم آمدنی والے طبقے کے لیے گھروں کی بناوٹ کیسی ہو،ان کا تعمیراتی سامان کیسا ہو،ہوا کی گزر کا خیال رکھا جائے ۔گو کہ اس پروجیکٹ کو ابھی ایک سال بھی مکمل نہ ہوا۔لیکن اس میں محمد یونس کی ماہرانہ رائے ہمیں ملتی رہی ہے ۔کیونکہ انہوں نے یہ سب عملی انداز میں نہ صرف دیکھا بلکہ ہمیں بھی سمجھایا ہے ۔

آوران زلزلہ زدگان کی آبادکاری

(Awaran Earthquake Rehabilitation)

آواران (بلوچستان) کے امن و امان کے معاملات کسی بھی ڈھکے چھپے نہیں ۔ لیکن محمد یونس نے اس ذمہ داری کو بھی کمال انداز میں مکمل کیا۔جب بلوچستان میں زلزلہ

آیا تو اس کے نتیجہ میں کئی گھر متاثر ہو گئے تھے ۔اس پروجیکٹ کے تحت وہاں گھروں کی تعمیر،ان کی مرمت،پانی کی فراہمی کے لیے ہینڈ پمپ کی ترسیل،گلی میں سولر لائٹ کا تنصیب یہ سارے کام کیے گئے ۔آوران پروجیکٹ کے تحت کوئی ایک ہزار سے زیادہ خاندانوں کو یہ سامان مہیا کیا گیا۔مشکل حالات سے گزر کر یہ کام بھی مکمل ہوا۔

ہوادار مکانات (Cooling Housing)

اربن ریسورس سینٹر کا یہ پروجیکٹ کراچی میں جاری ہے۔ یہ بھی براہ راست ہاؤسنگ پر مبنی ہے ۔اس میں یونس صاحب کی بہت زیادہ شمولیت تھی ۔بحیثیت آرکیٹکٹ یہاں بھی انہوں نے ہماری رہنمائی کی ۔گھروں کی بناوٹ اور ماحولیات کے حوالے سے مناسب طور پر وہ مشورے دیتے رہے ۔گھروں کو ماحول دوست ہونا چاہیے،ہوا کے گزرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو،گھروں میں پودے بھی ہونے چاہئیں ۔کراچی میں بغیر بجلی کے گھروں کو کیسے ٹھنڈا رکھا جائے ۔آبادیوں میں پانی دستیاب نہیں ۔ایسے میں گرمی سے بچنے کے لیے کیا کیا جائے ۔اس کے لیے بہت زیادہ ان کی ریسرچ رہی ہے ۔

سیلاب زدگان کی آبادکاری میں کمیونٹی کی امداد

(Supporting Community of Flood Rehabilitation)

یہ بھی ایک آوران کی طرح کا پراجیکٹ ہے جو اندرونِ سندھ میں جاری ہے ۔ دونوں کامیابی کے ساتھ رہے حالانکہ آپ دیکھیے کہ دونوں کے کلچر مختلف ہیں ۔ایک جگہ بلوچستان تو ایک جگہ اندرونِ سندھ ۔کمیونٹی میں ان کے مزاج کے مطابق چیزیں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں ۔ یونس صاحب ان کے مزاج کو بخوبی سمجھتے تھے اور اسی تناظر میں

بات کیا کرتے تھے ۔ان کے رہن سہن اور معاملاتِ زندگی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مختلف طریقے اپنائے ۔سولر لائٹ، پانی کے لیے ہینڈ پمپ کی تنصیب، ٹوائلٹ کی تعمیر، سیلاب سے متاثر مکانات کی مرمت ۔ یہ سب صرف بنا کر ہی نہیں دیئے جاتے بلکہ کمیونٹی کی مشکلات کو دیکھتے ۔خاص کر خواتین کے مسائل کو سمجھتے کہ کتنی دور سے پانی بھر کر لاتی ہیں ۔ ٹوائلٹ کا استعمال کیوں ضروری ہے ۔صفائی کیوں ضروری ہے ۔ان سب کا فہم کمیونٹی کو دیتے رہے ہیں ۔کمیونٹی میں ہمیشہ خواتین کو پابند کرتے کہ بچیوں کو تعلیم دی جائے ۔

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ ابھی حال ہی میں ہم نے اسی پراجیکٹ کا فیلڈ وزٹ کیا۔ 31 جنوری کو سندھ ہمارا جانا ہوا تو وہاں کے لوگ یونس صاحب کو یاد کر کے بہت اداس ہو رہے تھے بالخصوص وہاں کی مقامی خواتین جو کمیونٹی ایکٹیوسٹ ہیں انہوں نے یونس صاحب کی کمی کو بہت محسوس کیا۔ان کی انہی باتوں کو دہرایا کہ وہ ہماری بچیوں کو تعلیم دلانا چاہتے تھے ۔ہم خواتین کو مضبوط کرنا چاہتے تھے ۔

اجتماعی رہائش (Collective Housing)

جس طرح ملکی سطح پر انہوں نے رہائشی حقوق پر آواز اٹھائی ہے ۔ بالکل اسی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی وہ اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ یہ بنیادی حقوق میں سے ہے ۔ ایشیائی سطح پر بھی اور بہت سارے ممالک میں اس پر بات کی ہے ۔ کچی آبادیوں کے تصور اور ضرورت کے فلسفہ کو اجاگر کیا۔ کچی آبادی کے تصور کو عوام کی سوچ سے نہیں بلکہ نظام کی ناکامی سے جوڑتے تھے ۔ کچی آبادیوں کے مکینوں کو ان کا بنیادی حق یعنی رہائش کی فراہمی پر زور دیتے ۔انہوں نے پاکستان میں ہاؤسنگ رائٹس پر آواز اٹھائی کہ دوستانہ

ماحول ہونا چاہیے ۔قابضین اور متاثرین کے فرق کو بہت عمدگی سے بیان کرتے ۔

شہیرہ یونس اپنے والد کو یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ان کا کام ہی اصل میں ان کی میراث ہے ۔جو کچھ وہ اپنے کام کی صورت چھوڑ گئے ہیں ۔وہ ان کی یاد کی صورت ہمارے سامنے ہمیشہ رہیں گے ۔ یونس صاحب بیک وقت بہترین منتظم ،اکاؤنٹنٹ تھے ۔وہ اربن ریسورس سینٹر کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ۔ڈونرایجنسی سے روابط پیشہ ورانہ تھے ۔دوستانہ ماحول میں کام کے خواہاں رہے ۔مقامی تنظیموں کی شراکت کو یقینی بناتے ۔جس کے لیے CBOs کی تربیت بھی ہوتی ۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آوران اور سندھ میں مقامی تنظیموں کے کردار کو مضبوط کیا۔انہیں تقویت فراہم کی ۔کراچی میں بھی ان کی یہ مہارت نظر آتی رہی ۔جس کی واضح اور روشن مثالیں کراچی سرکلر ریلوے ایکشن کمیٹی ،مین لائن ون ایکشن کمیٹی اور کچی آبادی الائنس کا قیام ہے ۔

ان چند پروجیکٹ کا یہاں ذکر ہوا۔ یہ سب وہ ہیں جو محمد یونس کی بھرپور پیشہ ورانہ شراکت سے ممکن ہوئے لیکن اگر بحیثیت ساتھی انہیں دیکھا جائے تو وہ ایک نرم طبع انسان تھے ۔ان کے مزاج میں افسری نہ تھی بلکہ وہ خود اٹھ کر اپنے عملہ کے ساتھ بات کیا کرتے ۔ ہر ایک کے مسائل کو توجہ سے سنتے ۔عاجزی تھی اسی لیے حکم نہ دیتے ۔بہت ہی منکسر المزاج تھے ۔خوش لباس تھے ۔گفتگو کم کیا کرتے تھے لیکن جب وہ گفتگو کرتے تو ان کی گفتگو جامع ہوا کرتی تھی ۔کئی بار ہمیں لگتا کہ شاید وہ چیزیں نوٹس نہیں کر رہے ہیں لیکن جب بات کرتے تو ایک جامع گفتگو سامنے آتی ۔وہ ایک بہترین observer تھے اور بہت ساری چیزیں کا مشاہدہ کیا کرتے تھے ۔مزاح کی حس کمال تھی ۔اتنی سادگی سے مذاق کر جاتے

کہ سامنے والا دیر تک محظوظ ہوتا۔جیسا کہ ابھی گفتگو میں بتایا گیا کہ خواتین اور بچیوں کو مضبوط دیکھنا چاہتے تھے ۔ یہ کام انہوں نے یوآرسی اسٹاف کے ساتھ بھی کیا۔اپنے اسٹاف کی کونسلنگ کرتے ۔نوجوان طلباء کو مزید پڑھنے کی حوصلہ افزائی کرتے ۔نہ صرف حوصلہ افزائی بلکہ انہیں راستے دکھاتے اور ان پر راستے بھی آسان کر دیتے تھے۔ان کے حوالے سے یہی چند باتیں تھیں۔

اب ہم پروگرام کے دوسرے حصے کی جانب چلتے ہیں۔شہر کے موجودہ حالات کے ساتھ ایک نئے موضوع پر فورم پیش ہے۔فورم کے مقرر اور معزز مہمان جناب نعیم صادق موجود ہیں۔اپنے سینیئر ساتھی زاہد فاروق سے پروگرام شروع کرنے کی درخواست ہے۔

In Loving Memory Of

1965 to 2025

Muhammad Younus

Director Urban Resource Center

Muhammad Younus

An extraordinary human being and a lifelong servant of people and place. His work expanded outward into cities, villages, and disaster-stricken landscapes across Pakistan and internationally. He lived by a deep belief in dignity, justice, and collective strength.

At a time when integrity and people-centred work feel rare, he stood as a steady moral presence. He chose collaboration over control and dignity over visibility. His absence leaves a deep void for those who relied on him.

Muhammed Younus began his professional journey at the Orangi Pilot Project as Program Coordinator for Research and Training. This role marked the beginning of a lifelong commitment to urban justice, rehabilitation, and the rights of communities that others often ignored. At URC, he helped shape community-driven development models. He connected research with practice and policy with people. His work extended from being local, national and international.

The impact of his work will never be forgotten.

Local Projects

Five Model Cities:

He played a key role in advancing community led urban development models, where residents of low-income settlements were treated as decision-makers rather than beneficiaries. His work emphasised participatory planning, documentation of informal settlements, and strengthening local institutions to improve housing and infrastructure outcomes.

Local Projects

Healthy Housing Project:

Through this initiative, Younus highlighted the link between housing conditions and physical and mental well-being, particularly in Karachi's informal settlements. His contribution lay in advocating for housing as a public health issue, focusing on ventilation, sanitation, density, and dignity in living conditions.

National Projects:

Awaran Earthquake Rehabilitation:

He supported more than 1,025 families affected by the devastating earthquake that struck Balochistan, Pakistan, by providing essential housing assistance, constructing wells and hand pumps, and implementing 33 safe drinking water schemes to ensure access to clean water for the affected communities.

National Projects

Support of the Integrated Urban Development Process:

Younus contributed to shaping integrated urban planning frameworks that bridged the gap between provincial policy and ground realities. His work ensured that voices from informal settlements and marginalized communities were included in planning discussions around land use, housing, and services.

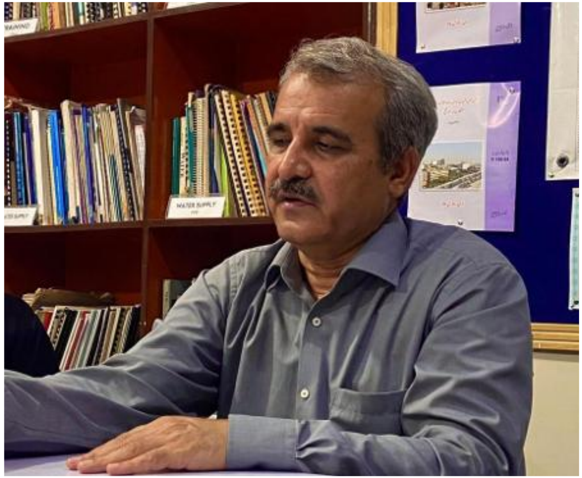

National Projects

Passive Cooling Solutions for Urban Poor Households in Asia:

Recognising heat stress as a growing urban crisis, Younus supported low-cost, climate-responsive housing strategies suitable for Pakistan's climate. His contribution focused on sustainable, non-energy-intensive design solutions that made housing safer and more livable for low-income families.

National Projects

Force Eviction:

Younus played a key role in URC's Eviction Watch and housing work with low-income and informal settlements, highlighting the impacts of forced evictions and advancing people-centered housing and urban policy through grounded research, advocacy, and long-term community engagement.

National Projects

Supporting Communities for Flood Rehabilitation:

After recurring floods in Sindh, he supported community-centred rehabilitation approaches, ensuring rebuilding processes reflected residents' actual needs. He emphasised local knowledge, incremental rebuilding, and long-term resilience rather than short-term relief-driven solutions.

International Projects

Collective Housing Asian Hub for Social Production

Muhammad Younus worked with the Asian Coalition for Housing Rights (ACHR), contributing Pakistani perspectives to Asian-wide dialogues on collective housing. He supported the idea of "social production of habitat" where communities collectively plan, finance, and build their living environments.

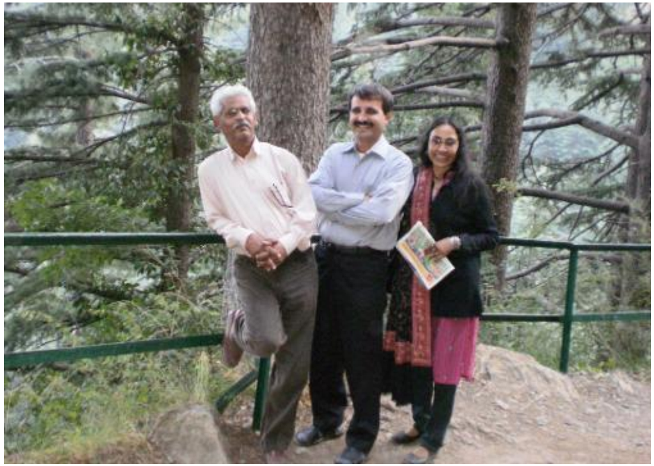

Bangkok

International Projects

Collective Housing Asian Hub for Social Production of Habitat

Indonesia

International Projects

Collective Housing Asian Hub for Social Production of Habitat

Malaysia

International Projects

Collective Housing Asian Hub for Social Production of Habitat

Cambodia and Ghana

He will be dearly missed

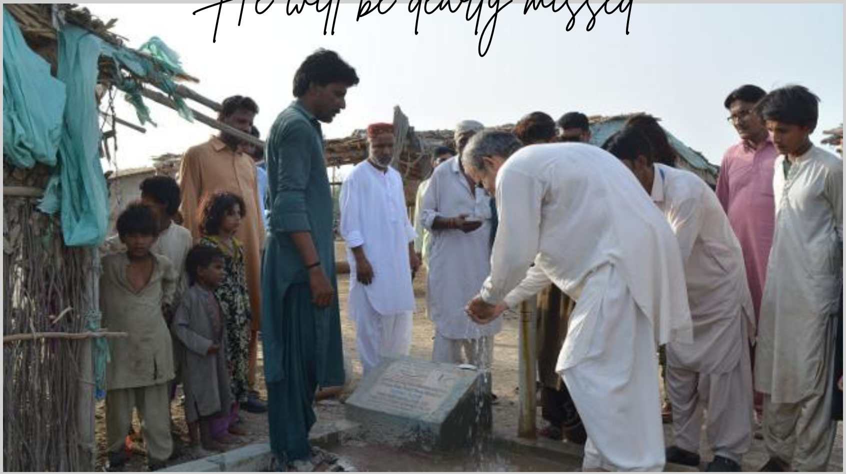

Muhammed Younus leaves behind a legacy that lives in rebuilt homes, flowing water systems, safer streets, empowered women, and restored livelihoods.

Created with love by
Shaheera Younus, his daughter.

His legacy lives on:

His passing is a great loss to civil rights, urban justice, and community development. He will be deeply missed by the communities, colleagues, friends, and family who relied on his wisdom, calm leadership, moral clarity, and kindness.

Created with love by
Shaheera Younus, his daughter.

شہری منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدامات
ایک جائزہ

مقررین:
نعیم احمد صادق، ماہر پیشہ ورانہ صحت
عارف حسن، چیئرمین اربن ریسورس سینٹر

زاہدفاروق: آج کے فورم میں ہمارا موضوع ”شہری منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدامات“ ہے۔ہمارے ساتھ ماہرِ تعمیرات اور اربن ریسورس سینٹر کے چیئرمین جناب عارف حسن صاحب موجود ہیں، جو ہمیشہ کی طرح مصروفیت کے باوجود ہماری رہنمائی کے لیے تشریف لائے۔ان کے ساتھ ساتھ،شعبہ صحت وتحفظ اور حقوقِ محنت کشاں (مزدور) کے ماہر جناب نعیم احمد صادق صاحب بھی مدعو ہیں، جو ان موضوعات پر مسلسل آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ کراچی جیسے بڑے شہر میں آئے روز حادثات رونما ہو رہے ہیں۔کبھی عمارتیں گرتی ہیں، کبھی آگ لگنے سے بستیاں اجڑ جاتی ہیں اور کبھی بارشیں تباہی مچاتی ہیں۔ان حادثات میں قیمتی جانوں کا ضیاع ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔جناب نعیم احمد صادق صاحب، جو ان مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور مسلسل لکھتے رہتے ہیں، آج ہمیں ان حادثات کی وجوہات اور ان کے حل کے بارے میں بتائیں گے۔

نعیم احمد صادق: گزشتہ پندرہ برسوں میں پاکستان نے پولیو کے خاتمے کی مہم کے لیے دو بلین ڈالر (تقریباً چھ سو ارب روپے) کا خطیر غیر ملکی قرض لیا ہے۔المیہ یہ ہے کہ اس طویل عرصے اور بھاری سرمایہ کاری کے باوجود، پولیو کی صورتحال آج بھی وہی ہے جو پندرہ سال پہلے تھی۔محض گزشتہ برس،2025 میں، پولیو کے 31 کیسز سامنے آئے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اسی طرح قرض در قرض لیتے رہیں گے اور مسئلہ جوں کا توں رہے گا؟ بدقسمتی سے اس کا جواب ہاں ہے، کیونکہ پولیو کا براہِ راست تعلق ہمارے ناقص سیوریج سسٹم سے ہے۔جب فضلے کے جراثیم پینے کے پانی میں شامل ہوتے ہیں تو ”فیکل

اورل سائیکل"(faecal-oral cycle) ٹوٹنے نہیں پاتی۔ہم نے کبھی اس بنیادی مسئلے یعنی نکاسیِ آب کے نظام کو درست کرنے کی زحمت نہیں کی، بلکہ محض"مرہم پٹی" کے طور پر قطرے پلانے پر اکتفا کیا۔اگر یہی پیسہ نظامِ صفائی ونکاسی(sanitation) پر خرچ ہوتا تو ہم پورے ملک کا نظام بدل سکتے تھے۔ یہاں موجود طلبہ اور اربن ریسورس سینٹر کے کام سے یہ بات واضح ہے کہ ہم"مصنوعی دلدلی نظام" یا"نباتاتی تصفیہ گاہ" (Constructed Wetlands) جیسے قدرتی طریقوں سے سیوریج کے پانی کو صاف کر سکتے ہیں۔

حفاظتی اقدامات کی اہمیت سمجھنے کے لیے ایک اور مثال دیکھیے۔ 2007 میں امریکہ کی ریاست مسی سیپی میں ایک پل گرنے سے تیرہ افراد جاں بحق ہوئے۔اس کا براہِ راست سبب ایک گسٹ پلیٹ(Gusset Plate) کا ٹوٹنا تھا جو بڑے بیمز کو جوڑتی ہے۔تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کا مضمر سبب(Underlying Cause) ناقص ڈیزائن تھا، جسے کوالٹی کنٹرول اور منظوری دینے والے اداروں نے نظرانداز کیا۔ لیکن اس کا بنیادی سبب(Root Cause) انتظامیہ کی غفلت تھی، جسے وقت سے پہلے پل کی کمزوری کی اطلاع دی گئی تھی مگر انتظامیہ نے کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ یہ سن کر شاید آپ کو کراچی کے شیر شاہ پُل کا خیال آجائے۔مسی سیپی کا پُل 40 سال پرانا تھا، جبکہ شیر شاہ کا پل محض 40 دن پرانا تھا، مگر وہ بھی گر گیا۔امریکہ میں اس حادثے کے بعد قوانین اور ضوابط میں 40 ترامیم کی گئیں؛امریکی کانگریس نے بصری معائنے کے بجائے"وزن برداشت کرنے کے امتحان"(load testing) کو لازمی قرار دیا،

پُل کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے فنڈنگ دگنی کی گئی اور کڑی نگرانی کا نظام وضع ہو۔ اور کہا کہ ہر سال رپورٹ دیں کہ کیا وہ ان ساری چیزوں کا معائنہ کر رہے ہیں۔اس کے برعکس، شیر شاہ پل کی رپورٹ میں پُل کی بناوٹ میں استعمال ہونے والا خام مال، ڈیزائن اور کرپشن جیسے مبہم الفاظ استعمال کیے گئے جن پر کوئی ٹھوس تادیبی کارروائی نہ ہوسکی۔نتیجہ یہ نکلا کہ 2007 سے اب تک مزید 12 پل گر چکے ہیں، اور خدشہ ہے کہ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا کیونکہ ہم نے اصل وجوہات کا سدِ باب نہیں کیا۔ یہ میں آپ کو پس منظر بتا رہا ہوں کہ اگر آپ ایک خاص طریقے سے کام کریں تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ یاد رکھیے، سیفٹی (حفاظتی اقدامات) بنیادی طور پر ایک انسانی مضمون ہے۔ یہ عام اور خاص میں تمیز نہیں کرتا، لیکن آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ کسی چیف ایگزیکٹو کے دفتر میں آگ لگنے سے ان کی وفات ہوئی ہو۔ ہمیشہ مزدور اور عام آدمی ہی ان حادثات کا ایندھن بنتا ہے۔عام لوگ زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں انسانوں خاص طور پہ عام لوگوں کی بہتری کے طریقے واضح کیے جاتے ہیں۔ یہ مضمون ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ کس طرح انسانی زندگیوں، خصوصاً عام لوگوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

جب فیض صاحب نے ایک مشہور نظم میں لکھا کہ

ے کٹڑیوں اور گلیوں محلوں کے نام
جن کی ناپاک خاشاک سے
چاند راتوں کو آ آ کے کرتا ہے اکثر وضو

تو دیکھیے کہ انہوں نے ان محلوں، گلیوں اور وہاں کے مکینوں کو کتنی اہمیت دی۔مگر

افسوس کہ آج صورتحال یہ ہے کہ ہر سال کتے کے کاٹنے (Dog Bite) کے پانچ لاکھ واقعات رونما ہوتے ہیں اور تقریباً پانچ ہزار افراد ریبیز (Rabies) اور ان زخمیوں کی بروقت دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔اس کا براہِ راست تعلق سیفٹی (Safety) یعنی حفاظتی اقدامات کے اس مضمون سے ہے جس سے ہم مسلسل غفلت برت رہے ہیں۔

اس کے علاوہ، ہمارے ہاں بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہر سال آتشزدگی کے تقریباً ایک ہزار حادثات ہوتے ہیں۔ہماری زیادہ تر توجہ تو محض گل پلازا یا بلدیہ ٹاؤن فیکٹری جیسے بڑے سانحات پر رہتی ہے، لیکن اگر آپ آج کا اخبار دیکھیں تو فائر ڈیپارٹمنٹ کے اعداد و شمار کے مطابق صرف کراچی میں سالانہ 900 آگ لگنے کے واقعات (Fire Cases) ریکارڈ ہوئے ہیں۔

اسی طرح انڈسٹری یعنی صنعتوں میں سالانہ چار ہزار اموات ہوتی ہیں۔انڈسٹری میں یہ اموات صرف آگ لگنے سے ہی نہیں، بلکہ بلندی سے گرنے، دم گھٹنے (Suffocation)، کیمیکلز (Chemicals) کے غلط استعمال اور خام مال (Materials) کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں۔مگر ان واقعات کو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے اور یہ کسی سرکاری ریکارڈ کا حصہ ہی نہیں بن پاتے۔

میں نے خود کئی ایسے انٹرویوز کیے ہیں جن میں انسانی جان کی بے وقعتی دیکھ کر افسوس ہوا۔مثلاً ایک شخص ہینگر (Hangar) کی چھت سے گر کر جاں بحق ہو گیا تھا۔ جب پوچھا گیا کہ "پھر کیا ہوا؟" تو جواب ملا: "ہم نے اس کے لواحقین کو ایک لاکھ روپیہ

دے دیااور بات ختم ہوگئی"۔ یہ واقعہ پاکستان کے کسی آفیشل ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح کراچی میں گٹر صاف کرتے ہوئے جو تین افراد جاں بحق ہوئے تھے، جنہیں شاید ایک ایک لاکھ روپے سے بھی کم دیا گیا، وہ بھی کسی ریکارڈ میں نہیں۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ ایک ایک لاکھ روپیہ بھی انہیں سرکاری محکمے نے غیر رسمی (Informal) طور پر دیا تھا۔

اس طرح کے درجنوں شعبے اور بھی ہیں۔ ہر سال کوئلے کی کانوں (Coal Mines) میں کام کرنے والے تقریباً 100 مزدور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ عمارتوں کے گرنے (Building Collapses) سے ہر سال تقریباً ڈیڑھ سو لوگ مرتے ہیں۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟ ہم اپنے لوگوں کی حفاظت (Protection) کیوں نہیں کرنا چاہتے؟ حالانکہ معاشرے کے کچھ مخصوص لوگوں کی حفاظت تو ہم بہت زیادہ کرتے ہیں۔

پاکستان کی 40 فیصد پولیس اور اس کی گاڑیاں محض دو ہزار افراد کی حفاظت پر مامور ہیں، جبکہ سندھ میں تو ایک مخصوص شعبہ ایس ایس یو (SSU - Special Security Unit) کے نام سے قائم کیا گیا ہے جو صرف دو یا تین درجن بااثر شخصیات کی حفاظت کرتا ہے۔ ہمارے ہاں تحفظ کا تصور یہ ہے کہ چند مخصوص لوگوں کو سیکیورٹی فراہم کی جائے اور باقی عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

کسی بھی حادثے کے بعد ہمارے پاس ایک روایتی نسخہ یا فارمولا ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے:

1۔ الزام تراشی (Blame Game):

سب سے پہلے حادثے کی کسی پر ذمہ داری ڈال دی جائے، اور کوشش یہ ہوتی ہے

کہ کسی ادنیٰ درجے کے ملازم کو قربانی کا بکرا بنایا جائے، جیسے کوئی سگنل مین یا لائن مین، اور گل پلازا کے کیس میں تو ایک بچے کو قصوروار ٹھہرایا گیا۔

2۔ سرکاری ہرجانہ(Government Indemnity):

ٹیکس دہندگان کے پیسوں سے سرکاری ہرجانے کا اعلان کر دیا جائے۔ جیسے اس کیس میں ایک ایک کروڑ روپے کا اعلان ہوا؛ ظاہر ہے یہ رقم وزیرِاعلیٰ صاحب اپنی جیب سے تو نہیں دیں گے، یہ عوام کے ٹیکسوں کا پیسہ ہے جو بانٹا جاتا ہے۔

3۔ تحقیقاتی کمیٹی(Inquiry Commission):

ایک عدالتی یا انتظامی انکوائری (Judicial or Administrative Inquiry) شروع کر دی جاتی ہے، جس کی رپورٹ مہینوں بعد آئے گی یا نہیں، اور اسے کوئی پڑھے گا یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔

ان تینوں باتوں کا ہیلتھ اینڈ سیفٹی (Health and Safety) یعنی صحت و سلامتی (حفاظت) کے علم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ان کا تعلق سیاست، شخصی تشہیر یا عوامی غم و غصے کو ٹھنڈا کرنے سے تو ہوسکتا ہے، مگر یہ حفاظتی تدابیر کے زمرے میں نہیں آتیں۔ ہم درحقیقت غلط سمت میں سفر کر رہے ہیں۔میں وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ حادثات یونہی ہوتے رہیں گے جب تک ہم اصلاحِ احوال کا درست طریقہ استعمال نہیں کریں گے۔

کسی بھی نظام کے مؤثر (Effective) ہونے کے لیے چار شرائط لازمی ہیں:

۞ ملکیت(Ownership):

کوئی ایک متعینہ ادارہ اس نظام کی ذمہ داری قبول کرے۔

۞ قواعد وضوابط (Laws and Codes):

اس کے پیچھے مضبوط قوانین، ضابطے (Codes) اور تحریری ومنظور شدہ منصوبے موجود ہوں۔

۞ نگرانی کا نظام (Monitoring and Testing):

اس میں باقاعدہ معائنہ، دیکھ بھال، جانچ اور احتساب (Checks and Balances) کا خودکار نظام ہو۔

۞ اصلاحی عمل (Corrective Action):

نظام میں غلطیوں کی نشاندہی کر کے انہیں ٹھیک کرنے اور مسلسل بہتری لانے کی گنجائش موجود ہو۔

پاکستان میں ان چاروں شرائط پر پورا اترنے والا کوئی بھی مربوط نظام موجود نہیں ہے۔ دنیا کے ہر ترقی یافتہ ملک میں حفاظتی نظام کے لیے ایک باقاعدہ ادارہ یا ادارہ جاتی ڈھانچہ (Institutional Framework) موجود ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ (UK) میں اس ادارے کا نام "ایچ ایس ای" (HSE- Health and Safety Executive) ہے، امریکہ میں اسے "اوشا" (OSHA - Occupational Safety and Health Administration کہا جاتا ہے، اور کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا میں "ورک سیف بی سی" (WorkSafeBC) کام کر رہا ہے۔ ان تمام اداروں کی ایک ہی بنیادی ذمہ داری ہے اور ان کے پاس یہ مکمل اختیار ہوتا ہے کہ وہ درج ذیل امور کو یقینی بنائیں:

۞ قانون سازی (Legislation):

صحت و سلامتی کے مسائل سے نمٹنے کے لیے تمام قوانین، ضابطے اور طریقہ ہائے کار (Practices)

۞ آڈٹ اور معائنہ (Audit and Inspection):

یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ تمام عمارتوں اور پلوں کا تکنیکی معائنہ کریں تا کہ ان کے محفوظ ہونے کی تصدیق کی جاسکے۔ اگر کوئی ڈھانچہ غیر محفوظ پایا جائے تو متعلقہ مالکان یا انتظامیہ کا احتساب کیا جائے اور ان پر جرمانہ عائد کیا جائے۔

۞ پیشہ ورانہ تحقیقات (Professional Investigation):

جتنے بھی حادثات رونما ہوں، ان کی سائنسی اور فنی بنیادوں پر تحقیقات کی جائیں۔ وہاں "جوڈیشل انکوائری" (Judicial Inquiry) جیسی غیر پیشہ ورانہ چیزیں نہیں ہوتیں، بلکہ یہ اس ادارے کا اپنا پیشہ ورانہ فریضہ ہوتا ہے۔

۞ تادیبی کارروائی (Disciplinary Action):

اگر کوئی ادارہ غیر تسلی بخش کام کر رہا ہو یا طے شدہ ضوابط (Codes) سے انحراف کرے، تو اسے بھاری جرمانہ کیا جائے یا مکمل طور پر بند کر دیا جائے۔

۞ معاوضہ اور تلافی (Compensation):

مالکان سے مستقل بنیادوں پر فنڈنگ لی جائے تا کہ حادثات کی صورت میں ورکرز (Workers) کی مالی تلافی کی جاسکے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی دور افتادہ گاؤں کی چھوٹی سی فیکٹری میں ایک مزدور کی انگلی

بھی کٹ جائے، تو اس کی تلافی کیسے ہو گی؟ اگر مالک کوئی نیک دل انسان ہوا تو شاید وہ مرہم پٹی کروا دے یا کچھ پیسے دے دے، مگر کیا ریاست کا کوئی ایسا نظام یا ادارہ موجود ہے جو اس مزدور کے حق کو یقینی بنائے؟

میں نے جو اعداد و شمار آپ کے سامنے رکھے ہیں ان کے مطابق ہر سال چار ہزار صنعتی حادثات (Industrial Accidents) رونما ہوتے ہیں۔ ان میں مختلف نوعیت کے واقعات شامل ہیں، جیسے کسی کا ہاتھ کٹ گیا، کمر ٹوٹ گئی، یا کام کے دوران مضر صحت ماحول کی وجہ سے کینسر، دمہ اور بصارت کی خرابی جیسی پچاسوں قسم کی بیماریاں اور چوٹیں (Injuries) لاحق ہو گئیں۔

جن اداروں کا میں نے پہلے ذکر کیا، یعنی اوشا (OSHA)، ایچ ایس ای (HSE) اور ورک سیف بی سی (WorkSafeBC)، یہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ انشورنس کے علاوہ مالکان (Employers) سے وہ تمام فنڈنگ حاصل کی جائے جس سے کارکن کے نقصان کا ازالہ ہو سکے۔ اس نظام کو (Worker Compensation Mechanism) یعنی مزدور کے ہرجانے کا طریقہ کار کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں سیسی (SESSI) کا ادارہ شاید اسی قسم کے کام کے لیے بنا تھا، مگر میرے خیال میں اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ ان اداروں کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر عوام کو سیفٹی کے بارے میں تعلیم و تربیت (Education and Training) فراہم کریں۔

بدقسمتی سے پاکستان میں گزشتہ ساٹھ ستر سالوں میں اس سمت میں کوئی کام نہیں

ہوا۔تحقیقات (Investigation) حفاظتی نظام کا ایک انتہائی اہم پہلو ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا غلط ہوا، یہ کون بتائے گا؟ کوئی ڈپٹی کمشنر یا جج یہ نہیں بتا سکتا کہ تکنیکی طور پر کیا غلطیاں کی گئی ہیں۔ پیشہ ورانہ تحقیقات تین سطح کے اسباب کو اجاگر کرتی ہیں:

1۔براہِ راست اسباب (Direct Causes):

مثلاً کسی شخص نے آتش گیر مادے کے قریب سگریٹ نوشی کی، یا چوتھی منزل پر مزدور بغیر (Safety Harness) یعنی حفاظتی پٹی پہنے لٹک کر کام کر رہے تھے۔ یہ اسباب جلد معلوم ہو جاتے ہیں۔ میری ناچیز فہم کے مطابق، پاکستان میں تحقیقات کو صرف اسی سطح تک محدود رکھا جاتا ہے اور پھر کسی چھوٹے ملازم یا بچے کو قربانی کا بکرا بنا کر ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ماچس کی تیلی تھی۔ یہ سراسر غلط روش ہے۔

2۔مضمر اسباب (Underlying Causes):

یہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا وہ عملہ تربیت یافتہ تھا؟ کیا وہاں (Risk Assessment) یعنی خطرات کے تخمینے کے نظام پر عمل ہو رہا تھا؟ دنیا بھر میں ہر انڈسٹری اور ہر عمارت بشمول اس ہال کے جہاں ہم بیٹھے ہیں، کے لیے "رسک اسیسمنٹ" لازمی ہے۔اس عمل کے دو اہم جزو ہیں:

- اول، خطرات کی نشاندہی کرنا، اور
- دوم، ان خطرات سے نمٹنے کا بندوبست کرنا۔

پاکستان کے 90 فیصد اداروں میں یہ کام سرے سے ہوتا ہی نہیں، اسی لیے ہر حادثہ ان کے لیے ایک ناگہانی بات ہوتی ہے۔ انہوں نے کبھی سوچا ہی نہیں ہوتا کہ ایسا بھی

ہوسکتا ہے۔ بلدیہ ٹاؤن فیکٹری والوں نے نہیں سوچا تھا کہ کھڑکیاں بند ہونے سے لوگ پھنس جائیں گے، اور نہ ہی گل پلازا والوں نے سوچا تھا کہ راستے بند کرنے سے آگ کی صورت میں کیا انجام ہوگا۔ ہماری تحقیقات میں ان مضمر اسباب کی شناخت کبھی نہیں کی جاتی۔

3۔ بنیادی اسباب(Root Causes):

یہ تحقیقات کی تیسری اور سب سے اہم سطح ہے، جس سے ہمارے ہاں کبھی بھی نمٹا نہیں جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی اسباب ہمیشہ اعلیٰ انتظامیہ کی غفلت کی نشاندہی کرتے ہیں؛ کہ انہوں نے صحت وسلامتی کا سرے سے کوئی نظام ہی قائم نہیں کیا۔ نہ آتشزدگی سے بچاؤ کا بندوبست کیا گیا، نہ ضروری فنڈنگ فراہم کی گئی اور نہ ہی معیار کے مطابق تعمیراتی مواد استعمال کیا گیا، یعنی ان کی فائر ریٹنگ (Fire Rating) درست نہیں تھی۔ شیر شاہ پل کی مثال لیجیے؛ گرنے سے دو سال قبل ہی مطلع کر دیا گیا تھا کہ اس میں فنی خامی ہے اور یہ کسی بھی وقت گر سکتا ہے، مگر اس پر کوئی عمل نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں اس مقام حادثے کا ذمہ دار وہ شخص ہے جو اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہو۔

دنیا بھر میں سیفٹی واحد مضمون ہے جس میں غفلت برتنے پر چیف ایگزیکٹو (CEO) پر فوجداری الزامات (Criminal Charges) عائد ہوتے ہیں اور اسے جیل بھی جانا پڑتا ہے۔ پاکستان میں آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ کسی مزدور کی ٹانگ ٹوٹنے پر کوئی چیف ایگزیکٹو جیل گیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حادثات قدرت کی طرف سے نہیں ہوتے، بلکہ یہ ہمارے ان کاموں کا نتیجہ ہوتے ہیں جو ہم نے غلط کیے یا جنہیں کرنے سے ہم نے پہلوتہی کی۔

ہمارے ہاں صحت وتحفظ کا ایک ایسا بااختیار ادارہ ہونا چاہیے جس کے پاس مکمل اختیارات ہوں۔ یہ ذمہ داری آپ محض لیبر انسپکٹرز پر نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ انسپکٹر جو شہر کے 12 ہزار سینی ٹیشن ورکرز کو آدھی تنخواہ (18 ہزار روپے) پر کام کرتے دیکھ کر بھی ان کی بنیادی سہولیات، یہاں تک کہ ان کی حفاظتی جیکٹس (High-Visibility Jackets) تک کو یقینی نہیں بنا سکتے، ان سے وزن برداشت کرنے کے امتحان (Load Testing) جیسے پیچیدہ تکنیکی کام کی توقع کیسے رکھ سکتے ہیں؟ یہ ان کا شعبہ ہی نہیں ہے۔ وہ تو محنت کشوں کے بنیادی حقوق کے حوالے سے بھی اپنا فرض ادا نہیں کر پاتے۔

جب تک ہم ایک پیشہ ورانہ ادارہ قائم نہیں کرتے، پیشہ ورانہ تحقیقات نہیں کرتے اور اصلاحی اقدامات نہیں اٹھاتے، ہمارے حالات ایسے ہی رہیں گے۔ یاد رکھیے، اصلاحی اقدام یہ نہیں ہے کہ مزدور کی ٹانگ ٹوٹنے کے بعد آپ ہسپتال میں اس کا علاج کروا دیں؛ بلکہ حقیقی اصلاح یہ ہے کہ آپ وہ تمام حفاظتی انتظامات کریں جن کی بدولت کسی بھی مزدور کی ٹانگ ٹوٹنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ یعنی یہ ایک امتناعی (Preventive) مضمون ہے، نہ کہ صرف حادثے کے بعد متحرک ہونے والا شعبہ۔

ہمارے ہاں سیفٹی کی بات صرف تب ہوتی ہے جب کوئی بڑا حادثہ ہو چکا ہو۔ بلدیہ ٹاؤن کے سانحے کے بعد دو سال تک باتیں ہوتی رہیں، اب حالیہ حادثے پر بھی کچھ ماہ گفتگو ہوگی اور پھر ہم خاموش ہو جائیں گے جب تک کہ کوئی نیا بڑا جان لیوا سانحہ رونما نہ ہو جائے۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ مطالبہ کریں کہ پاکستان میں پیشہ ورانہ صحت وتحفظ (Occupational Health and

Safety) کاایک مکمل ادارہ بنایا جائے۔

جب تک ایسا ادارہ قائم نہیں ہوتا، ہم وہ کام تو شروع کریں جو ہمارے بس میں ہیں۔مثلاً، وہ لوگ جنہیں ہم روزانہ خودکشی کرنے کے لیے کھلے گٹر میں اتارتے ہیں اور جہاں دم گھٹنے سے ان کی موت واقع ہو جاتی ہے، اس عمل کو فی الفور بند کروایا جائے۔ حکومت اور عدالتوں سے رجوع کریں کہ یہ غیر انسانی کام اب مزید نہیں ہوگا۔اگر ہم اپنی آنکھوں کے سامنے ہزاروں لوگوں کو روزانہ موت کے منہ میں بھیجتے ہیں، تو ہم سیفٹی کی بڑی بڑی باتیں کرنے کا حق نہیں رکھتے۔میں آپ سب کا بے حد مشکور رہوں۔

زاہدفاروق: اب یہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ ہم جس بھی عہدے یا پوزیشن پر فائز ہیں، اپنے گردوپیش کی صورتحال کا جائزہ لیں اور بہتری کے لیے جو بھی ممکنہ اقدامات کر سکتے ہیں، وہ ضرور کریں۔بلاشبہ سرکاری ادارے اپنی جگہ جوابدہ اور ذمہ دار ہیں، لیکن ہمیں اپنے ذاتی کردار کا بھی محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم سیفٹی یعنی تحفظِ عامہ کے حوالے سے خود کیا کر سکتے ہیں، تاکہ ہم خود بھی محفوظ رہیں اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی تحفظ فراہم کر سکیں۔اب میں محترم جناب عارف حسن صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ اس موضوع پر اظہارِ خیال فرمائیں۔عارف حسن صاحب منصوبہ سازی (Planning)، بالخصوص تعمیرات کے شعبے کے عالمی سطح پر تسلیم شدہ ماہر ہیں۔شہروں، دیہی علاقوں کی ترقی اور سماجی تعمیرِ نو میں ان کی خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں اور اربن ریسورس سینٹر کے چیئرمین ہیں۔

عارف حسن: نعیم احمد صادق صاحب، آپ کا بے حد شکریہ۔میرا خیال ہے کہ اگر آپ

سب نے آج کی گفتگو غور سے سنی ہے تو ملک کی اصل صورتحال آپ کے سامنے ہے؛ ہم روزمرہ کی بنیاد پر ان ہی تلخ واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔تحفظِ عامہ کے کئی پہلو ہیں، اور ان کے ادارہ جاتی پہلوؤں (Institutional Aspects) پر نعیم صاحب اور زاہد صاحب نے بڑی جامع روشنی ڈالی ہے۔میرا ماننا ہے کہ یہ ہمارا فرض ہے، ہم ان ادارہ جاتی مسائل کو پہلے معاشرے میں اجاگر کریں اور پھر سوسائٹی کے ذریعے حکومتی ایوانوں تک پہنچائیں۔ہم نے تجربے سے یہ سیکھا ہے کہ ہمارے صوبائی اور عدالتی ادارے عموماً اسی وقت متحرک ہوتے ہیں جب عوامی دباؤ بڑھتا ہے۔لیکن جیسا کہ نعیم احمد صادق صاحب نے نشاندہی کی، جب یہ ادارے کوئی قدم اٹھاتے بھی ہیں تو وہ کسی باقاعدہ قانون کے تحت نہیں ہوتا۔اس روش کو بدلنے کی ضرورت ہے۔اسی حوالے سے میری سیما صاحبہ سے درخواست ہے کہ وہ کم ازکم ہمارے اپنے دفتر کی (Risk Assessment) یعنی خطرات کا تخمینہ ضرور کروادیں، تاکہ جو ہماری اپنی کمیاں ہیں، ہم انہیں تو درست کر سکیں۔دوسری بات یہ ہے کہ ہم سب یہاں جمع ہیں۔اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک چھوٹا سا گروپ تشکیل دے دیں جو اس موضوع پر مسلسل گفتگو کرے اور اس کا دائرہ وسیع کرے، تاکہ وہ معلومات عام لوگوں تک پہنچیں جو آج نعیم صاحب نے ہمارے سامنے رکھی ہیں۔

تحفظ کے مسائل کی کئی اقسام ہیں۔سڑکوں پر گاڑیوں کے حادثات ہیں جو کئی جانیں لے لیتے ہیں، یا معصوم بچوں کا گٹروں میں گر کر غائب ہو جانا ہے۔یہ اب روزمرہ کے واقعات بن چکے ہیں۔اسی طرح طلبہ کے معاملات کو دیکھیے؛ انہیں پہلے جو تھوڑی بہت سہولیات میسر تھیں، اب وہ بھی ختم ہو چکی ہیں۔ٹرانسپورٹ کے مسائل اس قدر سنگین ہیں

کہ لوگ اپنی ملازمتوں کا فیصلہ بھی ٹرانسپورٹ کی سہولت دیکھ کر کرتے ہیں ۔جن آبادیوں کو مسمار کیا گیا، وہاں کے بچوں کے اسکول ختم ہو گئے ۔اس حوالے سے میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں ۔

لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر کے دوران جب مکانات گرائے گئے، تو ایک صاحب میرے پاس آئے اور بتایا کہ اس بے دخلی کی وجہ سے 30 ہزار بچے میٹرک اور انٹر کے امتحانات نہیں دے پائیں گے ۔میں نے جب یہ بات حکامِ بالا تک پہنچائی، تو اس منصوبے کے نگران افسر نے سر پکڑ لیا؛ وہ کہنے لگے کہ انہیں اس پہلو کا علم ہی نہیں تھا، ورنہ وہ کبھی اس کا حصہ نہ بنتے ۔وہ اس قدر پریشان ہوئے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور پھر کہنے لگے کہ اس کا اب ایک ہی حل ہے کہ آئندہ جب بھی ہم کوئی مسماری کا عمل (Demolition) کریں، تو وہ امتحانات کے بعد کیا جائے ۔یہ واقعہ آپ کو حکومتی سوچ کا انداز دکھاتا ہے کہ وہاں لوگ کس طرح مجبوری کے تحت سوچتے ہیں ۔انہیں اپنی نوکری اور مراعات (Increments) کی فکر ہوتی ہے ۔میں ہمیشہ کہتا ہوں اور حکومت سے جب بھی بات چیت یا رابطہ (Interaction) ہوا ہے، میں نے یہی کہا ہے کہ ہماری پالیسیوں میں ایک غریب دشمن تعصب (Anti-Poor Bias) پایا جاتا ہے ۔حکام نہ تو غریب کی مشکلات کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی انہیں قبول کرتے ہیں ۔ان کا گمان ہے کہ یہ یعنی غریب صابر (Resilient) لوگ ہیں، سب کچھ برداشت کر لیں گے ۔اس تعصب کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام آپ لوگ ہی کر سکتے ہیں ۔آپ اپنے حلقہ احباب میں، جن لوگوں سے آپ کا تعلق ہے، ان میں بیٹھ کر یہ گفتگو کریں ۔

بہت شکریہ نعیم احمد صادق صاحب، آپ نے آج ہمارے علم میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

مرحلہ سوال و جواب

زاہد فاروق: جیسا کہ ابھی عارف حسن صاحب نے بتایا کہ یہ ایک بڑا شہر ہے اور یہاں اس طرح کے واقعات (ٹریفک حادثات) ہوتے رہتے ہیں، اس لیے ان موضوعات پر مسلسل بات کرنے کی ضرورت ہے۔ میں طلبہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی کلاسوں، کالجز اور یونیورسٹیز میں اس طرح کے مباحث کا اہتمام کروائیں۔ ہم نعیم احمد صادق صاحب، عارف حسن صاحب اور دیگر ماہرین سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ شہر کے مستقبل سے جڑے ان اہم مسائل پر گفتگو جاری رکھیں۔ اس کے علاوہ ناصر منصور اور سعید بلوچ صاحب یہاں موجود ہیں؛ اگر مزدوروں کی آبادیوں اور کارخانوں میں اس طرح کی عملی نشستیں منعقد کی جائیں تو ہم نعیم احمد صادق صاحب سے گزارش کریں گے کہ وہ ان میں بھی ہمارے ساتھ شامل ہوں۔ اگر کوئی دوست سوال کرنا چاہے یا اپنی رائے دینا چاہے تو بے شک کرسکتا ہے۔

سید امیر حسین (سیفٹی ایکسپرٹ): میں نعیم احمد صادق صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے روڈ سیفٹی پر اتنی اہم گفتگو کی۔ ہم گزشتہ 15-20 سالوں سے سڑکوں پر ہونے والے حادثات کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ ایک مشاہدہ یہ ہے کہ اگر سڑک پر حادثہ ہوتے ہوتے رہ جائے تو لوگ اسے مذاق میں اڑاتے ہیں، لیکن جب وہی حادثہ ہو جاتا ہے تو اسپتالوں میں ان کی کیفیت دیدنی ہوتی ہے؛ یہ دراصل ہمارے رویوں کا مسئلہ ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم کسی مسئلے پر آواز اٹھاتے ہیں تو اگلے دن مہم (Drive) چلتی ہے، لیکن

پھر دکانوں سے بھتہ لے کر سب کچھ دوبارہ پرانے ڈھرے پر شروع ہو جاتا ہے، تاہم کوشش پھر بھی ہونی چاہیے۔ ہم نے پاکستان سیفٹی ایڈووکیسی گروپ کے نام سے لنکڈ ان اور واٹس ایپ پر ایک پلیٹ فارم بنایا ہے۔ میں چاہوں گا کہ نعیم احمد صادق صاحب اس کی رہنمائی کریں اور جیسا کہ عارف صاحب نے بھی کہا۔ ہمیں ایک ورکنگ گروپ تشکیل دینا چاہیے تاکہ یہ باتیں صرف کمرے تک محدود نہ رہیں بلکہ ان پر عملی کام آگے بڑھ سکے۔

زاہد فاروق: بہت شکریہ! ان کی طرف سے بہت اچھی تجویز آئی ہے۔

محبوب الٰہی: میں آپ تمام لوگوں کی توجہ ایک بہت بڑے انسانی المیے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ کچھ حادثات نظر آرہے ہوتے ہیں مگر ہم توجہ نہیں دیتے۔ پی آئی اے (PIA) کے تقریباً 850 25 ریٹائرڈ ملازمین اور بیواؤں کے ساتھ ایک بڑا ظلم ہونے جا رہا ہے۔ اس وقت پی آئی اے کے پینشنرز کو صرف دو تین ہزار اور بیواؤں کو پندرہ سو سے دو ہزار روپے پینشن مل رہی ہے۔ پی آئی اے کی نجکاری کے عمل میں لائبلٹیز (Liabilities) کو الگ کر دیا گیا ہے اور ان ہزاروں لوگوں کے لیے اسٹیٹ لائف کے ذریعے صرف پانچ لاکھ روپے انشورنس کی حد رکھی گئی ہے، جبکہ اسٹیٹ لائف کی اپنی نجکاری بھی ہونے جا رہی ہے۔ یہ 25 ہزار سے زائد خاندان آنے والے دنوں میں شدید انسانی بحران کا شکار ہو جائیں گے۔ میری درخواست ہے کہ اس مسئلے کو بھی بھرپور طریقے سے اجاگر کیا جائے۔

زاہد فاروق: بہت شکریہ۔

مہمان: جیسا کہ یہاں بہت سی چیزوں پر بات ہو رہی ہے، ایک بڑا مسئلہ ڈیٹا کی کمی کا

بھی ہے۔ ہمارے پاس اسپتالوں، ٹرانسپورٹ اور عمارات کے حوالے سے درست اعداد وشمار موجود نہیں ہیں کہ ان میں کتنے لوگ رہ رہے ہیں اور وہاں کی اصل صورتحال کیا ہے۔

زاہد فاروق: نعیم احمد صادق صاحب یہ تمام نکات نوٹ کر رہے ہیں اور وہ ان کا تفصیلی جواب دیں گے۔

سوال: ہمارا ایک ادارہ این ڈی ایم اے (NDMA) موجود ہے۔ کیا اس کا دائرہ کار وسیع کر کے ان مسائل پر کام نہیں کیا جا سکتا؟

نعیم احمد صادق: دیکھیے، این ڈی ایم اے اور پی ڈی ایم اے (PDMA) قومی سطح کی قدرتی آفات کو ڈیل کرتے ہیں۔ وہ پیشہ ورانہ تحفظ (Occupational Safety) یا عمارات میں آتشزدگی جیسے معمول کے حادثات کو نہیں دیکھتے۔ سیفٹی کی پچاس سے زائد اقسام ہیں؛ روڈ سیفٹی، اسپتالوں میں حفاظتی اقدامات اور کارکنوں کے تحفظ کے مسائل سب الگ الگ اہمیت رکھتے ہیں۔ ہمیں ایک ایسے مضبوط مرکزی ادارے کی ضرورت ہے جس کے ماتحت ہر قسم کے حفاظتی اقدامات آسکیں، جو ڈیٹا اکٹھا کرے، قوانین میں اصلاح کرے اور معائنہ (Inspection) کی براہِ راست ذمہ داری قبول کرے۔ اس وقت پاکستان میں یہ ذمہ داری کسی کی بھی نہیں ہے۔

رہائشی (مچھر کالونی): آج کی اس نشست کے بعد ہمیں کن اداروں کے پاس جانا چاہیے تاکہ ان مسائل کو حل کرایا جا سکے؟ اور اس میٹنگ کے بعد ہمارا اگلا عملی قدم کیا ہونا چاہیے؟

زاہد فاروق: آپ مچھر کالونی سے آئے ہیں اور ہم نے وہاں کے حالات دیکھے ہیں۔

وہاں "امکان" کے نام سے ایک ادارہ کام کررہا ہے، آپ ان سے رابطہ کریں اور وہاں کمیونٹی کی ایک بڑی میٹنگ کا اہتمام کریں۔نعیم احمد صادق صاحب وہاں ضرور آئیں گے،ان کے وہاں پہلے بھی رابطے موجود ہیں۔

نعیم احمد صادق: میں آپ کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہوں گا کہ جو ورکنگ گروپ کی تجویز دی گئی ہے،میں اس میں بخوشی شامل ہوں گا۔اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہماری آج کی گفتگو کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا،کیونکہ باتیں تو ہم سب کو معلوم ہیں، اصل چیز ان پر عمل درآمد ہے۔ہمیں پالیسی کی سطح پر حکومت پر اثر انداز ہونا پڑے گا تاکہ نظام میں حقیقی تبدیلیاں لائی جاسکیں۔

عارف حسن: میرے خیال میں یہ پورا موضوع ہمارے تعلیمی نصاب، پلاننگ اور انجینئرنگ کا حصہ ہی نہیں ہے۔میری ڈیزائن کی ہوئی بڑی عمارات میں بھی نہ تو انجینئرز کو شوق تھا اور نہ ہی مالکان کو کہ وہ باقاعدہ معائنہ کروائیں۔چونکہ ہم نے ایس بی سی اے (SBCA) کو رشوت نہیں دی تھی کہ وہ نقشہ ایسے ہی پاس کردیں،اس لیے ہم ہر سال دیکھ بھال (Maintenance) کے لیے مالکان اور انجینئرز کو بلاتے ہیں،مگر وہ خود نہیں آتے بلکہ مجھے انہیں بلانا پڑتا ہے۔جہاں تک ڈیٹا کی بات ہے،تو یہاں جعفری صاحب موجود ہیں؛ جن طلبہ کو ڈیٹا درکار ہو وہ ان سے رابطہ کرسکتے ہیں۔

شجاع الدین قریشی (صحافی۔The Knowledge Forum): سال 2017 میں آکوپیشنل سیفٹی اینڈ ہیلتھ کا ایک ایکٹ بنایا گیا تھا اور اس کے تحت ایک کمیشن بھی قائم ہے۔اس پر اب تک کتنا کام ہوا ہے؟

نعیم احمد صادق: سیفٹی کے نظام میں صرف ایک عام انتظامی ایکٹ کا ہونا کافی نہیں ہے۔اس کے لیے ہر شعبے میں تفصیلی کوڈز اور پریکٹسز کی ضرورت ہوتی ہے۔ سندھ حکومت نے وہ ایکٹ بنا کر کسی الماری کی نذر کر دیا ہے۔قانون کے مطابق جس کمیٹی کو ہر چار ماہ بعد ملنا تھا، وہ کئی سالوں سے ملی ہی نہیں ہے۔وہ ایک فرسودہ دستاویز ہے۔ہمیں ایک ایسا ادارہ چاہیے جو براہِ راست جوابدہ ہو۔

طالب علم (شعبہ عمرانیات۔جامعہ کراچی): یونیورسٹی میں بہت سی کانفرنسز ہوتی ہیں، کیا آپ کے پاس کوئی تحریری مواد موجود ہے جس کی مدد سے ہم متعلقہ لوگوں کو ان حفاظتی اقدامات کی ضرورت کے بارے میں بتا سکیں؟

نعیم احمد صادق: کراچی یونیورسٹی ایک بہت بڑا ادارہ ہے، وہاں اکوپیشنل ہیلتھ اینڈ سیفٹی کا نظام کیوں نہیں ہے؟ یونیورسٹی نے اپنے خطرات کی نشاندہی (Risk Assessment) کیوں نہیں کی؟ وہاں ہر جگہ واضح ہدایات ہونی چاہئیں کہ کہاں کیا خطرہ ہے اور اس کا حل کیا ہے۔آپ لوگ اس مسئلے کو اٹھائیں اور نظام قائم کرنے کا مطالبہ کریں۔اس حوالے سے بین الاقوامی معیار ISO 45001 موجود ہے۔اگر آپ کے پاس اس کی کاپی نہیں ہے تو میں آپ کو ای میل کر دوں گا تاکہ آپ اسے اپنے ادارے میں لاگو کروانے کی بنیاد بنا سکیں۔

زاہد فاروق: سول سوسائٹی کسی مسئلے کو اٹھا سکتی ہے۔حل کرنا اور عملدرآمد کرنا انسٹیٹیوٹ کا کام ہے۔آپ کا چونکہ کراچی یونیورسٹی سے تعلق ہے تو آپ لوگ اپنے اساتذہ، پروفیسرز سے، ہیڈ آف دی ڈیپارٹ سے بات کریں اور اس طرح کی گفتگو کا وہاں اہتمام کریں تو

آپ کے ٹیچرز کے سامنے نعیم احمد صادق صاحب اور عارف حسن صاحب وہاں آ کے بات کر لیں گے۔

نعیم احمد صادق: حکومت کا کام اداروں کو بنانا ہوتا ہے اور سول سوسائٹی کا کام حکومت پر دباؤ ڈالنا ہوتا ہے کہ وہ صحیح اقدام کرے۔ ہمارے ہاں حکومت بھی نہیں کرتی اور ہم بطور سول سوسائٹی بھی ناکام ہیں کیونکہ ہم اس بات کو کافی طور پر آگے نہیں بڑھاتے۔ اگر ہماری ذاتی کوئی بات ہوتی ہے تو ہم بہت شور کرتے ہیں مگر جو معاشرتی مسائل ہیں، عوام کی وسیع تر بہتری کے لیے اس پر زیادہ بات نہیں کرتے۔ یہاں بیٹھا ہوا ہر شخص جہاں بھی کام کرتا ہے وہ وہاں اپنے چیف ایگزیکٹو سے جا کے پوچھے کہ ہمارے ہاں اس ادارے میں کیا سیفٹی کا نظام ہے، کیا خطرات ہیں اور کیا کنٹرول ہیں۔ یہ سوال پوچھنا آپ کا حق ہے۔

زاہد فاروق: نعیم احمد صادق، عارف صاحب اور تمام شرکاء کی آمد کا شکریہ۔ ہمیں خوشی ہوتی ہے کہ آپ جیسے مقررین یہاں گفتگو کرتے ہیں اور پھر انہیں سننے کے لیے حاضرین موجود ہوتے ہیں جو اپنی گفتگو اور سوال جواب کے ذریعہ اس موضوع کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔

یوآرسی فورم سیریز

یوآرسی ملکی اور بین الاقوامی ترقیاتی منصوبوں کے مسائل پر کام کرنے والے ممتاز ماہرین کے لیکچرز کا اہتمام کرتا ہے جن کے بنیادی سطح پر مسائل کے حل پر کام کرنے والے کارکنان، این جی اوز کے نمائندے سرکاری اداروں سے وابستہ اہلکار میڈیا او تعلیمی اداروں سے وابستہ افراد اور متعلقہ لوگ شرکت کرتے ہیں۔ یہ فورم تنظیمی اور انفرادی سطح پر کام کرنے والوں کو موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے کام کا وسیع قومی اور بین الاقوامی معاملات سے موازنہ کرسکتے ہیں۔ یہ لیکچر ان تحریکوں کے لئے کام کرنے والوں کو معلومات فراہم کرتے ہیں جو پاکستان اور خصوصی طور پر کراچی میں منصفانہ اور ایسی حکمت عملیوں کے وضع کرنے کے لئے چلائی جارہی ہیں جن کا مقصد صرف عوامی ترقی ہو۔

"شہری منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدامات۔۔۔ایک جائزہ"

کے عنوان سے یہ فورم 11 فروری 2026ء کو یوآرسی میں منعقد ہوا۔